اسلام میں عدل اجتماعی کا تصور اور اس کے تخصصات کا تحقیقی مطالعہ

سنبل اشرف*
نسیم سحر صمد**

Abstract

With the Human population coming into existence, a series of guidelines were also set by Allah. The series of providing guidelines to the human beings were initiated with the creation of Adam and this uninterrupted series continued till the arrival of the Holy Prophet Muhammad PBUH. Whenever Allah chose and sent His prestigious prophets for the betterment of mankind, indeed there were always righteous benefits which were seen as an outcome to that. But people, with the passage of time used to forget the message delivered by their Lord through the chosen ones, the holy prophets and stay deprived. So, during such circumstances, Islam introduced a comprehensive perception of the righteous ones and Sharīat. It provided such a detailed direction of livelihood that contained the basic and fullest knowledge of the Lord (the creator), the creation, life and the mankind. Pertaining to such comprehensive and complete school of thoughts, Islam introduced the concept of justice. In addition to that, Islam also introduced the basic and comprehensive knowledge of how to implement this on to the lives in congregation. Which was also practiced by the Holy Prophet Muhammad PBUH and thus indulged to the lives of mankind? Before Islam, there was not any remarkable concept of justice in the world. Islam not only introduced the philosophy of justice but also introduced the concept of "Social Justice". In Islam the concept of social justice is very vast and comprehensive, its implementation not only discuss material values but also covered those whole values which are highly beneficial for the mankind. This defines life as mutual aid, harmony sympathy and equality at the same time.

Keywords: Social justice, Freedom conscience, Perfect human equality, Collective accomplishment, Individual and collectivism

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج فار وومن یونیورسٹی، لاہور۔
** پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج فار وومن یونیورسٹی، لاہور۔

اسلام دین فطرت ہے اور تمام بنی نوع انسان کی ہدایت و فلاح کے لئے تا محشر صرف یہی ایک راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام فرمایا کہ اسلام ایسے حالات میں پروان چڑھا جن پر کسی شہنشاہ یا کسی رومن ایمپائر کا تسلّط نہیں تھا اس کی نشو و نما ایک قبائلی بدوی معاشرہ میں ہوئی جس میں رومن ایمپائر کی طرح قوانین اور ادارے نہیں پائے جاتے تھے اس دین کی ابتدائی نشو و نما کے لئے یہ انتہائی سازگار حالات تھے۔ اس کو اس بات کا موقع ملا کہ انسان کے قلب اور ضمیر اور اس کے معاملات زندگی دونوں پر بیک وقت چھایا رہے اور اپنی قانون سازی اور ہدایات میں دین و دنیا دونوں کو سامنے رکھے۔ چنانچہ اسلام فرد کے ضمیر اور جماعت کی عملی زندگی دونوں کی روحِ رواں بن کر رہا اس کے نظام میں عملی سرگرمیاں کبھی بھی اس دینی حس سے جدا نہیں ہوئیں جو برائیوں کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس دین کا مزاج اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے جب کہ افراد معاشرہ اپنے تمام تر معاملات زندگی، انفرادی، اجتماعی، روحانی، اقتصادی اور قانونی میں اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوں کیونکہ یہ صرف عبادات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اس پالیسی کے تعین میں جو چیز فیصلہ کن رہی ہے وہ اس دین کا ایک ناقابل تقسیم اکائی ہونا ہے۔ اس کے عبادات و معاملات، اس کے قوانین اور اس کی ہدایات سب مل کر ایک کل بناتے ہیں جو ناقابل تقسیم ہے۔ اس کامل، جامع اور ہمہ گیر نظام حیات کا ایک بنیادی تخصص ہے جو کہ اس کے تمام شعبہ ہائے جات کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس بنیادی تخصص کا نام عدل اجتماعی ہے۔

عدل اجتماعی:

ڈاکٹر محمد خلیل الخیری عدل اجتماعی کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

التقدیر الصحیح ولااعتراف الکامل بحقوق وجدارۃ کل فردا احترامہا[1]

"صحیح تقدیر جس کا ہر فرد کے حقوق و فرائض کے ساتھ کامل اعتراف کیا جائے"

[1] ڈاکٹر محمد خلیل الخیری، مفهوم العدل الاجتماعی فی الفکر الاجتماعی المقارن ، ابحاث سیاسیۃ : دراسات اسلامیۃ ،اکتوبر ۱۵، ۲۰۱۱ء

http://drsabrikhalil.wordpress.com

بسام برکتہ اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

الفضیلة والخصلة الاخلاقية اللّتان تحفران علیٰ القسطاس واحترام حقوق الغیر[2]

"ایسی اخلاقی فضیلت وخصلت جس میں ہر کسی کا احترام جو کہ عدل پر مبنی ہو"

عبدالرزاق کمونہ عدل اجتماعی کے معاشی پہلو کے متعلق کچھ یوں رقمطراز ہیں:

نظام اقتصادی ، يضبط انشاط الاقتصادی علیٰ وجه يتيح لكّل افراد المجتمع ، فرص متكافية لتوظيف امكانيتهم ، ومقدارتهم و عائد مكافی لمجهوداتهم ، طبقا لقواعد منظمة لعلاقات النّاس قبل هٰذا النشاط[3]

"اقتصادی نظام، اقتصادی نشو ونما کو ایسے طریقے پہ منظم کرتا ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو اس کے اخراجات اور ضروریات پوری کرنے کے لئے وافر مالی حصہ مل سکے، جو کہ ان کی محنت و کوشش کے مطابق ہو، یہ (نظام) اپنی نشو ونما کے حوالے سے لوگوں کے تعلقات کو مربوط کرنے کے اصولوں پر قائم ہو"

ابو نصر الفارابی نے " عدل اجتماعی" کو کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے:

العدل اوّلاً يكون فی قسمة الخيرات المشتركة اللّتی لأهل المدينة علیٰ جميعهم فأنّ لكّل واحد من اہل المدينة قسطاً من ہٰذه الخيرات مساوياً لاستها له .فنفقه عن ذٰلك و زيادة جور[4]

"عدل بنیادی طور پر شہریوں کی اجتماعی قسمت ہے جس میں ہر شہری کے لئے انصاف مہیا کرنا اس بھلائی کی مشترک قدر ہے اور اس سے ظلم و زیادتی مٹ جاتے ہیں۔"

صلاح احمد ہاشم اس ضمن میں لکھتے ہیں:

و تعرف العدالة الاجتماعية بأنها ، تعاون الأفراد فی مجتمع متحد يحصل فيه كل عضو علی فرص متساوية و فعلية ؛لكی ينمو و يتعلم لأقصی ما تتيح له قدراته ، فهی تتصل بالجهود الرامية لتأكيد الفرص والحماية المتساوية لكل الناس فی حدود النظم المعمول بها[5]

---

[2]بسام برکتہ، **قاموس لاروس المحیط**، (لبنان: دار الکتب العلمیہ)، ۱: ۲۴

[3]عبدالرزاق کمونہ الحسینی، **العدل الاجتماعی فی الاسلام**، (بیروت، لبنان: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء)، ۱۸

[4]الفارابی، ابو نصر، السیاسۃ المدنیۃ، تحقیق فوزی متری نجار، (بیروت: دار المشرق، ۱۹۸۱ء)، ۱۶

''اور عدل اجتماعی سے مراد یہ ہے کہ ایک متحد معاشرے میں افراد کے مابین باہمی تعاون کے قیام کو یقینی بنایا جائے جس میں ہر رکن کو آگے بڑھنے اور اپنی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے یکساں مواقع مہیا کئے جائیں، یہ ایک قابل اطلاق نظام کے اندر اندر تمام لوگوں کے لئے برابر مواقع اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے کوششوں سے متعلق ہے''

سیّد مودودی عدل اجتماعی کے متعلق کچھ یوں کہتے ہیں: '' آسان الفاظ میں '' عدل اجتماعی '' درحقیقت جس چیز کا نام ہے، وہ یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد اور گروہوں سے وہ خدمت بھی لی جا سکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے''[6]

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدل اجتماعی پورے سماجی نظام پر حاوی ہے جس کے ذریعہ معاشرے کے تمام عناصر، روزگار، دولت کی مساویانہ تقسیم، استحکام، سیاسی حقوق، تعلیم کے مواقع، صحت کی سہولیات وغیرہ کے حصول کے یکساں مواقع میسر ہوتے ہیں اور معاشرہ بلا تفریق مذہب، نسل، ملت ہر تعصب سے بالاتر ہو کر ایک مہذب زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔

سیّد قطب شہید لکھتے ہیں:

اسلام میں ''عدل اجتماعی'' کے تصور سے ہم صحیح طور پر اسی وقت آگاہ ہو سکتے ہیں، جب الوہیّت، کائنات، زندگی اور انسان کے متعلق اسلامی فکر اور نظریے کو اجمالی طور پر سمجھ لیں، کیونکہ عدل اجتماعی کا اسلامی نظریہ اسی ایک اصول اور بنیادی فکر کی ایک شاخ ہے، جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع و منبع ہے۔ اسلام کے پاس الوہیّت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصور اور مکمل نظریہ ہے اس کی تمام فروع اور جزئیات اسی نظریے سے نکلی ہیں، اس کے نظریات، قوانین اس کی متعین کردہ حدود عبادات اور معاملات کے باب میں اس کی ہدایات تمام اصل سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ اسلام عبادات، کاروبار زندگی، عقیدہ عمل، روحانیت اور مادیت، معاشی قدروں اور معنوی قدروں، دنیا اور آخرت، زمین اور آسمان سب کے درمیان وحدت کا قائل ہے۔ اسی عظیم وحدت سے اسلام کے فرائض، قوانین، ہدایات، تعلیمات اور سیاسی، معاشی امور میں اس کا نقطہ نظر واضح

---

[5] صلاح أحمد ہاشم، **العدالہ وا لمجتمع المدنی**، (مصر: طبقالقوانین الملکیۃ الفکریۃ، ۲۰۰۵ء)، ۴۵

[6] ابوالاعلیٰ، سیّد مودودی، **اسلام اور عدل اجتماعی**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ۱۳

ہوتا ہے۔اس کی روشنی میں وہ حقوق، فرائض متعین کرنا اور نفع، نقصان کی تقسیم عمل میں لاتا ہے۔کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرز فکر کی یہ اساس اگر ہماری سمجھ میں پوری طرح آجائے تو اسلام میں "عدل اجتماعی" کے بنیادی خطوط خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔ [7]

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس دین کی سب سے بڑی خوبی اور خوبصورتی اس کا عادلانہ نظام ہے۔اسلام جس عدل اجتماعی کا تصور دیتا ہے وہ انسانی حیات کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے اسی لئے ہر جگہ ہر وقت اور ہر شعبہ میں اسے نافذ العمل قرار دیتا ہے، چاہے وہ معاشی عدل سے متعلق ہو، حقوق سے متعلق ہو یا آپس کے جھگڑوں سے متعلق ہو اس میں امیر اور غریب، شاہ اور گدا، مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں ہے۔عدل اجتماعی اسلامی نظام زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کا تخصّص یہ ہے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا نظام نہیں ہے اور نہ ہی اسے کسی ادارے نے ترتیب دیا ہے، بلکہ عدل اجتماعی اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ کا بنایا ہوا وہ مکمل نظام ہے، جس میں ناانصافی کا کوئی شائبہ نہیں اور نہ غلطی کا احتمال ہے اس کی روشنی تا قیامت جگمگاتی رہے گی۔ضرورت صرف اس امر کی ہے اس کو اس کی روح کے مطابق نافذ کیا جائے۔عدل اجتماعی کے تصور اور اطلاق کے کسی بھی دائرے میں جبر کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد تو سراسر خیر خواہی پر ہے۔

محمد برہان الحق جلالی لکھتے ہیں۔اسلام کے عدل اجتماعی کی بنیاد باہمی تعاون، ہم آہنگی، ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے پر ہے۔جو معاشرے میں رہنے والے مختلف حیثیتوں کے مالک (حامل) انسانوں کو باہم مربوط اور متوازن بنا کر ایک اکائی میں پرو دیتا ہے حدیث شریف کے الفاظ "جسد واحد" اور "بنیان مرصوص" اس امر کی واضح دلیل ہیں۔ [8]

عدل اجتماعی کی جامعیّت اور ہمہ گیریت:

سید یحیٰ ندوی لکھتے ہیں: عدل ایک نہایت جامع لفظ ہے۔اس سے مراد انسان اور انسان کے درمیان عدل ہے، کمزور اور طاقتور کے درمیان عدل ہے، غریب اور امیر کے درمیان عدل ہے، ریاست اور قوم کے درمیان عدل ہے۔

---

[7] سید قطب شہید، العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام، **اسلام میں عدل اجتماعی**، مترجم، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ۸۳

[8] برہان الحق جلالی، **عدل اجتماعی کا تصور تعلیمات نبوی کی روشنی میں**، ۱۰، بزم اردو لائبریری lib.bazmeurdu.net/،https://docs.google.com/document

غرض حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کی ادائیگی، توازن کا نام عدل ہے۔ اگر تمام انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد قوت کی بجائے عدل کو قرار دیا جائے تو ہماری پوری زندگی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی تمام شعبہ ہائے زندگی کی عمارت اخلاقی بنیادوں پر مستحکم ہو سکتی ہے اور فضائے عالم سے جنگ، ظلم کے بادل چھٹ سکتے ہیں۔[9]

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک منصفانہ اور عادلانہ عالمگیر نظام اسی وقت قائم ہو سکتا ہے، جب دنیائے انسانیت اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء، رسلؑ کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب، انبیائے کرامؑ بالخصوص محسن انسانیت، ہادی عالم سیّد عرب، عجم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے عدل، انصاف کا سبق سیکھ کر اپنی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی میزانِ عدل میں تولنے اور پرکھنے کے لئے تیار ہو جائے۔اسے ''عدل اجتماعی'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، یہی عالمگیر عدل ایک عالمگیر خدائی قانون اور میزانِ قسط کے ذریعے بروئے کار آتا اور قائم ہوتا ہے۔ وہ خدا جس کی نگاہ میں ساری مخلوق کا مفاد یکساں ہے جن کے نزدیک بمصداق '' الخلق عیال اللہ'' تمام بنی نوع انسان گویا ایک خاندان اور ایک ماں باپ کی اولاد کی طرح آپس میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی خاص صفت ہی عدل ہے، ان کا ہر فیصلہ عدل، سچائی پر مبنی ہوتا ہے۔ حقوق، فرائض پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ ادا کرنا ان میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا'' عدل اجتماعی'' ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع انداز میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ[10]

''بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں عدل اجتماعی کا ہمہ گیر تصور ملتا ہے جس سے تمام انسانیت کی فلاح و ترقی اور یکساں حقوق کی وضاحت ملتی ہے۔ مفتی محمد شفیع اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت قرآن حکیم کی جامع ترین آیت ہے، جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے، اس لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت کریمہ تلاوت کی جاتی ہے۔ پھر مزید لکھتے ہیں: عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ

---

[9] سیّد یحییٰ ندوی، **اسلام کا تہذیبی نظام**، (کراچی: پاک اکیڈمی، ۱۹۶۴ء)، ۲۶۸

[10] النحل: ۹۰

کرے اور کسی ادنی یا اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے کسی انسان کو اس کے قول و فعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذار سانی اور تکلیف نہ پہنچے۔[11]

ام کلثوم بن یحییٰ لکھتے ہیں: اسلام نے عدل اجتماعی کا جتنا واضح اور کامل تصور دیا اتنا دنیا کے کسی اور مذہب یا مکتبہ فکر میں موجود نہیں ہے اس کے تمام اصول ہی نہایت اہم ہیں ان میں سے اہم ترین اصول "عدل" ہے۔ عدل اجتماعی معاشرہ میں عدل کے تمام تر تقاضوں کو پورا کرتا ہے جس سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے کہ جس میں اظہار خیال کی آزادی، برابری کی سطح پر حقوق و فرائض، دولت کی منصفانہ تقسیم تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔[12]

اسلام نام ہی عدل اجتماعی کا ہے، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام میں عدل اجتماعی ہے تو یہ غلط ہے بلکہ حقیقت اور صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدل اجتماعی ہے، سیّد مودودی رقمطراز ہیں: " جو لوگ اسلام میں بھی عدالت اجتماعیہ موجود ہے" کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ ایک بالکل غلط بات کہتے ہیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدالت اجتماعیہ ہے۔ اسلام ہی وہ دین حق ہے جو خالق کائنات نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے، انسانوں کے خالق، رب کا ہی کام ہے۔ دوسرا نہ کوئی اس کا مجاز ہے کہ عدل، ظلم کا معیار تجویز کرے، اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا آپ مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے معیارِ عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت خدا تعالیٰ کے مملوک اور رعیّت کی ہے، اس لئے معیار عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرمانروا کا کام ہے۔[13]

نوعیت اور تخصّصات:

" عدل اجتماعی" کے اسلامی تصور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محدود معنٰی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سر گرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ یہ فکر، عمل، ضمیر اور وجدان سب پر حاوی ہے، اس کا انحصار صرف معاشی قدروں پر نہیں، یہ وسیع تر تصور کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں، یہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش

---

[11] مفتی محمد شفیع، مولانا، **معارف القرآن**، (کراچی: ادارۃ المعارف)، ۳۸۸:۵۔۳۸۹

[12] ام کلثوم بن یحیٰ، **العدل الاجتماعی فی الاسلام**، شبۃ ضیا، مئی ۲، ۲۰۱۳ء، http://diae.net/12599

[13] ابوالاعلیٰ سید مودودی، **اسلام اور عدل اجتماعی**، ۷۔۸

گوار امتزاج کا نام ہے ۔ عدل اجتماعی کے قیام میں اسلام انسانی فطرت کے بنیادی عناصر کا لحاظ رکھتا ہے ، انسانی صلاحیتوں کو بھی پوری طرح پیش نظر رکھتاہے۔ اسلام کی نظر میں عدل انسانی مساوات کا نام ہے جس میں تمام اقدار حیات کی متوازن اور ہم آہنگ تحصیل عمل میں آتی ہے ان اقدار میں خالص معاشی اقدار بھی شامل ہیں۔

صلاح احمد ہاشم اس سلسلے میں جو بیان کرتے ہیں اس کا مفہوم کچھ یوں ہے ۔ عدل اجتماعی در حقیقت مساوات اور عدل کے ساتھ قریبی تعلق رکھتاہے، یہ ظلم اور استحصال کی ہر شکل کا اس کی جڑ سے خاتمہ کرتا ہے اور افراد کے مابین بلا تفریق رنگ و نسل کے حقیقی مساوات کو یقینی بناتا ہے فرد اور جماعت کے مابین باہمی حقوق و فرائض کی منصفانہ تقسیم کرتا ہے جس سے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ لطف اندوز ہوتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں، پھر عدل اجتماعی ان کا بنیادی مطالبہ بن جاتا ہے کہ جس سے افراتفری سے پاک پرامن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔[14]

سیّد مودودی لکھتے ہیں:

انسان خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خواہ ایک یا بہت سے انسان مل کر بھی اپنا ذہن استعمال کریں، بہر حال انسانی علم کی محدودیت اور عقل انسانی کی کوتاہی، نارسائی اور انسانی عقل پر خواہشات، تعصّبات کی دستبرد سے کسی حال میں بھی مفر نہیں ہے۔اس وجہ سے اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان خود اپنے لئے ایسا نظام بنا سکتے ہیں جو در حقیقت عدل پر مبنی ہو کیونکہ انسان کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداً بظاہر کیسا ہی عدل نظر آئے بہت جلدی عملی تجربہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ فی الحقیقت اس میں عدل نہیں ہے۔اسی وجہ سے ہر انسانی نظام کچھ مدّت تک چلنے کے بعد ناقص ثابت ہو جاتا ہے اور انسان اس سے بیزار ہو کر ایک دوسرے احمقانہ تجربے کی طرف پیش قدمی کرنے لگتا ہے۔ حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہو سکتا ہے جو کہ عالم الغیب والشہادۃ اور سبّوح قدّوس ہستی نے بنایا ہے۔[15]

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور کائنات ، حیات اور انسان کی بابت ایک بنیادی نظریہ رکھتا ہے ۔ ''عدل اجتماعی'' کا تصور اسی بنیادی فکر کا پرتو ہے، یہ نظریہ اسلامی عدل کو ایسا وسیع اور جامع انسانی عدل کے طور پر پیش کرتا ہے جو کہ صرف مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں ہے، اس کے نزدیک زندگی کی قدریں بہ یک مادی بھی ہیں دونوں میں تفریق صحیح نہیں ہے۔انسانیت ایک جامع وحدت ہے جس کے مختلف عناصر باہم مربوط، ہم آہنگ اور

---

[14] صلاح احمد ہاشم، **العدالۃ والمجتمع المدنی**، ۴۳۔۴۴

[15] ابوالاعلیٰ، سیّد مودودی، **اسلام اور عدل اجتماعی**، ۱۷۔۱۸

ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ جہاں تک عدل اجتماعی کی نوعیت کی بات ہے تو یہ نظریہ تین بنیادی اصولوں پر مشتمل ہے:

۱۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر ۲۔ کامل انسانی مساوات

۳۔ ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل

اسلام اس بات کو بنیادی اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کی عزت، آبرو اور ان کے شرف، جاہ کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ ان میں خودداری اور عزت نفس پرورش پائے اور وہ عدل وانصاف کے قیام کے نگران، محافظ بن کر رہیں وہ چاہتا ہے اس طرح قانون کے علاوہ ان باتوں کے ذریعے بھی ایک مکمل اور مطلق عدل اجتماعی کے قیام کی ضمانت دی جاسکے جس میں کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ ان اغراض، مقاصد کے پیش نظر اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ انسان اپنی جان، پیٹ بھرنے کے لئے غذا اور زندگی میں اپنی حیثیت ان تمام معاملات کے سلسلے میں ہر طرح کے خوف سے آزاد رہے۔ اب ان بنیادوں کے مزاج و مقاصد کی وضاحت پیش ہے۔

۱۔ آزادی ضمیر:

محمد حسن قراملکی اس ضمن میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں ہیں۔ عدل اجتماعی کے نظریہ کی روشنی میں آزادی ضمیر یہ ہے کہ جس میں انسان اپنی فطرت، اپنے وجود اور حقوق کی اصل کی پہچان حاصل کرنے کا ایسے اہل ہو جاتا ہے جیسا کہ اسے زندگی اور صحت کے حق کا ادراک ہے۔ اور اپنے ہر عمل میں خدائے غالب سے منسلک رہتا ہے کہ اس کی ہر احتیاج، زندگی کا تسلسل، اس کی اپنی موجودگی کا انحصار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہے جیسا کہ ہوا، پانی، کھانا اور دیگر نعمتوں کی توسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کا تناسب یہ ہے کہ بندہ پر اپنے غالب رب کا صرف ایک حق ہے کہ وہ اپنے بزرگ و برتر مالک کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے اور اس کے بعد بندے کے تمام تر حقوق اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں، انسان صرف اس بات پر کامل یقین رکھے کہ اس کی تمام تر ذمہ داری، نفع، نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر بندے پر صرف اتنا ہی بوجھ ڈالا ہے جسے اٹھانے کا وہ مکلف ہے۔[16]

سید قطب لکھتے ہیں:

اجتماعی عدل کا کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے پیچھے اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس اور انفرادی استحقاق کا گہرا شعور موجود نہ ہو۔ پھر یہ یقین بھی ضروری ہے

---

[16] محمد حسن قراملکی، **العدل**، (دار الکفیل للطباعۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۳۷ھ۔ ۲۰۱۶م)، ۳۱

کہ اسی طرح اعلیٰ انسانی مقاصد تک پہنچنا ممکن ہو سکے گا ساتھ ہی مادی حالات بھی ایسے ہونے چاہیئیں کہ فرد اس نظام عدل سے وابستہ رہنے ،اس کی حفاظت کرنے اور اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے پر آمادہ ہو جائے اگر فرد کو اس ضرورت کا احساس نہ ہو اور وہ اس شعور کو ہمیشہ تازہ رکھنے کا عملاً اہتمام نہ کرے تو محض قانون سازی کے ذریعے اس طرح کا عدل قائم کرنا مشکل ہے۔ اسلام کا نقطہ آغاز انسانی ضمیر کو غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت، فرمانبرداری سے آزاد کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے کوئی ایسا نہیں جو انسان کو زندگی اور موت دیتا ہے نہ ہی کوئی اور اس کے نفع، نقصان کا ذمہ دار ہے، آسمان، زمین میں وہی ایک اعلیٰ ذات ہیں جو تمام لوگوں کی حاجات کو پورا کرتے ہیں۔[17]

تصور وحدانیت کے نکتہ کو اسلام نے ہمیشہ مدّ نظر رکھا اسی لئے قانون سازی اور ہدایت، تلقین دونوں میں اسے سامنے رکھا ہے ضروری ہے کہ افراد نفسیاتی طور پر ان عقائد کو تسلیم کریں جو اجتماعی عدل کی تائید کریں اور خارجی حالات بھی ایسے ہوں جو اس کے عملی قیام کو یقینی بنا سکیں۔ نفسیاتی تیقن کے بغیر ایسی قانون سازی اگر عمل میں آ بھی جائے تو معاشرہ ان قوانین کے برقرار رکھنے اور انہیں پوری طرح نافذ کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ- اللَّهُ الصَّمَدُ - لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ[18]

"کہو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے"

اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور صفات کے تقاضوں میں واحد ہیں تو ان کی عبادت بھی یکساں ہو گی سب کے سب لوگ انھی کی طرف متوجّہ ہوں گے کسی دوسرے کی عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر کسی انسان کو اس کا حق نہیں کہ وہ کسی اور کو اپنا رب قرار دے اسے صرف اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کی اطاعت کرنی چاہیئے جو کہ صرف نیک عمل اور تقوٰی کی بنا پر ہو سکتی ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ [19]

---

[17] سید قطب شہید، **اسلام میں عدل اجتماعی**، ۱۲، ۱۱ الملخصاً

[18] الاخلاص: ۱۔۴

[19] آل عمران: ۶۴

"کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (اُن سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔"

اسلام توحید کی تعلیم کو نہایت اہمیت دیتا ہے اور ایسی ہر ممکن بات کا سدّ باب کرتا ہے کہ جس سے لوگوں کے شرک کرنے کا اندیشہ پیدا ہو۔ مثلاً انبیاء کرامؑ کی بزرگی کے سبب لوگ کہیں ان کی پرستش نہ کرنے لگ جاتے یا اسی نوعیت کے کچھ آداب، مراسم بجالانے کی طرف نہ مائل ہو جائیں لہٰذا عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد نے انسانی ضمیر کو اس سے آزاد رکھنے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی بابت فرماتے ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىَ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ [20]

"اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں اُن سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں بھلا اگر یہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) گے ؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔"

غرض یہ کہ اسلام نے جو عدل اجتماعی کا تصور دیا وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتا ہے اور اس کے ہر گوشے کی طرف توجّہ کر کے شعور، وجدان کو ایسی مکمل آزادی کی ضمانت دیتا ہے جو نہ صرف تصورات اور نظری اقدار پر مبنی ہے نہ اس کا واحد سہارا اقتصادی، مادی انتظامات ہیں بلکہ وہ بیک وقت ان دونوں بنیادوں پر قائم ہے وہ زندگی کے عملی حقائق اور نفسِ انسانی کی قوت برداشت دونوں کو سامنے رکھتا اور ان کی رعایت کو ملحوظ رکھتا ہے وہ انسان کے پاکیزہ ترین رجحانات کو اُکساتا ہے اس کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور قوّتوں کو بیدار کرتا ہے اور بالآخر اسے وجدان، شعور کی مکمل آزادی تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ بغیر مکمل آزادی کے وہ کبھی کمزوری، کمتری کے احساس سے نکل نہیں پائے گا اس طرح نہ تو عدل اجتماعی میں سے اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ملنے کے بعد اس کی مشقّتوں کو سہ کر اسکی ذمہ

[20] آل عمران: ۱۴۴

داریوں کو نبھاہ سکتا ہے۔اسلام میں عدل اجتماعی کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے یہ آزادی انھی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے بلکہ یہی وہ اولین بنیاد ہے جس پر دوسری بنیادیں قائم ہیں۔

۲۔کامل انسانی مساوات:

ڈاکٹر ابراہیم العیسوی لکھتے ہیں۔مساوات اور غیر امتیازی سلوک کا اصول عدل اجتماعی کی بنیاد ہے۔عدل اجتماعی اکثر مساوات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے لیکن یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ عدل اجتماعی کو مکمل یا مطلق مساوات کے تصور کو پیش نہیں کرتا، معاشرے میں آمدنی یا دولت کے حصول میں مساوات کے لحاظ سے بہت سی چیزوں میں لوگوں کے درمیان انفرادی اختلافات کے ساتھ ان مختلف نتائج میں اختلافات، مطلوبہ صلاحیتوں، سائنسی اہلیت یا تجربہ، یا مظاہر کی نوعیت کے طور پر اس تشخیص میں اختلاف ہونا چاہئے۔[21]

سید قطب لکھتے ہیں:

عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد نے حقیقی مساوات کے سارے لوازم ایک ایک کر کے اکٹھا کر دیئے کیوں کہ جب انسان کو اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ اس کا خالق، مالک ہر طرح سے واحد، یکتا ہے اور اس کے ہر نفع، نقصان کا مالک بھی وہی ذات ہے تو وہ اذن خداوندی کی وجہ سے غربت، ذلت، مصیبت، موت اور تمام تکالیف کے اندیشوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔انسانی ضمیر اب اس بات کا محتاج نہیں رہا کہ کوئی اس کے لئے مساوات کے ضمن میں لفظی نعرے بھی بلند کرے کیونکہ ایسا مزاج بن جانے کے بعد اب وہ ان امتیازات کو برداشت کرنے سے انکار کر دے گا جو صرف معاشی اور معاشرتی بنیادوں پر قائم ہیں۔ان باتوں کے باوجود اسلام نے آزادی ضمیر سے ضِمنی طور پر مستنبط ہونے والے مفہومات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اصولی مساوات کی لفظاً اور منصوص طور پر صراحت کر دی تاکہ بات بالکل متعیّن اور بالکل صاف ہو جائے۔ اسلام نے مساوات کا مکمل درس دیا اور تمام سطحی امتیازات کو ختم کر کے تمام بنی نوع انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے باعث تکریم ٹھہرایا اور یہ واضح کر دیا کہ عمل صالح اور اعلیٰ کردار کے سوا فضیلت کا کوئی معیار نہیں عزت و شرف کے قابل صرف متقی و پاکباز لوگ ہیں اور آج بھی انسانیت کی بقا و فلاح اسی اصول کو اپنانے میں ہے۔[22]

---

[21] ڈاکٹر ابراہیم العیسوی، العدالۃ الاجتماعیۃ من شعار مبھم الی مفھوم مدقق، صحیفۃ الشروق، اکتوبر ۲۰۱۲ء

[22] سید قطب شہید، **اسلام میں عدل اجتماعی**، ۱۴۸

انسان حقیقی مساوات کے ادراک کے بعد اپنے حقوق کا طلبگار ہو گا اور انھیں حاصل کر لینے کے بعد ان کے تحفظ کا امین بنے گا اور اس سلسلے میں اصحابِ ثروت اور ضرورت مند افراد ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے جیسا کہ آج سے چودہ سو سال قبل اسلامی معاشرے میں یہی ہوا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا،تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا - أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا - وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا-إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا - لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا - وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا[23]

''اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے،(ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بُری بات (زبان پر) لائے ہو، قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں، کہ انہوں نے اللہ کیلئے بیٹا تجویز کیا ،اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے، تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے،اُس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے،اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ کی شان وحدانیت اور صفت خالق و حاکم کا بہترین امتزاج بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کی ارفع شان و بزرگی مکمل طور پر ہر قسم کے شرک سے پاک ہے اور وہ کیسا عظیم الشان وزبردست حاکم ہے کہ جس کے ایک اشارے سے تمام کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور تمام انسان اس زبردست قوت کے مالک کے روبرو پیش ہوں گے۔ یہ یقین انسان کو ہر قسم کی دنیاوی تفریق کے تصورات سے آزاد کر دیتا ہے اور وہ خدائے واحد کی شان ادراک کرتے ہوئے احساس برتری کے تصورات کو جھٹک دیتا ہے جیسے شاہانہ خون کے دعویٰ کا ابطال ہے ارشاد ہوتا ہے۔

أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاء مَّهِينٍ- فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ - إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ - فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ[24]

'' کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟(پہلے) اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک معین وقت تک پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں۔''

---

[23] مریم:۱۹، ۹۵

[24] المرسلات: ۲۰۔۲۳

قرآن کریم انسانی پیدائش کے مختلف مراحل کو بہت سے مقامات پر بتدریج بیان فرماتا ہے ان مراحل اور ان کی تکمیل کو دہرانے سے ایک مقصد یہ واضح ہوتا ہے کہ سب انسانوں کا اصل ایک ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''اَنْتُمْ بَنُوْ اٰ دَمَ وَاٰدَمَ مِنْ تُرَابْ''[25] جب یہ واضح ہو گیا کہ کوئی فرد بالذّات کسی دوسرے فرد سے افضل نہیں تو کسی قوم یا نسل کا اپنے حسب نسب کے اعتبار سے دوسری نسلوں اور قوموں پر فضیلت کے تمام دعوے بے حقیقت ثابت ہوئے۔ اسلام قبیلہ، نسل اور مذہب، مسلک ہر طرح کے تعصبات سے بری ہے اور اس ضمن میں اتنے بلند مقام پر ہے جہاں پر مغربی تہذیب کے لئے آج بھی پہنچنا ناممکن ہے حالانکہ وہ اپنے آپ کو اس تہذیب کے علمبردار سمجھتے ہیں مثلاً امریکہ، یورپ وغیرہ۔ تو خود امریکہ کا یہ حال ہے کہ وہ اس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ علی الاعلان ریڈ انڈین نسل کو مٹا دینے کی منظم کوشش کرے اور گوروں، کالوں کے درمیان مذموم تفریق کو روا رکھتے ہوئے کالوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرے۔ یہ تہذیب جنوبی افریقہ کی حکومت کے لئے رنگین نسل والوں کے خلاف علی الاعلان امتیازی قوانین بنانا جائز قرار دیتی ہے اور روس، چین، ہندوستان، حبشہ اور یوگوسلاویہ وغیرہ کے لئے مسلمانوں کا قتل عام مباح کر دیتی ہے۔ اسلام کا نظریہ اس سلسلے میں بالکل مختلف ہے یہ ہر اس بات کا جڑ سے خاتمہ کرتا ہے کہ جس میں کسی بھی شکل میں امتیاز یا احساس برتری پائے جانے کا احتمال ہو یہ صرف ایک امتیاز و برتری کو تسلیم کرتا ہے جو کہ تقوٰی اور عمل صالح پر ہو۔ قرآن کریم تو حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق بھی واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں اور اس کے ساتھ وہ باقی انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں اور آپ ﷺ بھی بار بار اس بات کا اعادہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ ہیں اور ایک انسان ہیں۔ سب لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی تعظیم و محبت انتہائی حد تک جاگزیں تھی اندیشہ تھا کہ یہ محبت و تعظیم غیر معمولی فضیلت و برتری کی شکل نہ اختیار کر لے۔

اسی اندیشہ کے تحت آپ ﷺ نصیحت فرماتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ :سمع عمر رضی اللہ عنہ یقول علی المنبر: سمعت النبی ﷺ:((لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسیٰ ابن مریم فانّما انا عبدالله و رسوله[26]

---

[25] بوداؤد، السنن، **کتاب الادب**، باب، فی التفاخر بالاحساب، (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۸ء)، ۷۲۰، حدیث: ۵۱۱۶

[26] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا، مریم: ۱۶، حدیث: ۳۴۴۵، ۵۸۰

''حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ منبر پر فرمارہے تھے: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری تعریف میں اس طرح کا غلو ہر گز مت کرنا جس طرح کا غلو نصاریٰ نے عیسیٰؑ کی تعریف میں کیا تھا کیونکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور پیغام بر ہوں۔''

حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس بات کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ کسی چھوٹے سے عمل سے بھی مساواتِ مطلق کے تصور پر زد نہ پڑے اور اپنے طرز عمل سے تمام افراد کے اذہان میں حقیقی و کامل مساوات کے تصور کو ہمیشہ کے لئے جا گزیں رکھتے تھے۔ اس دور میں جنس کی بناپر معاشرے میں ایک واضح تقسیم موجود تھی اور عورت کے بارے میں یہاں تک بحث کی جاتی تھی کہ آیا اس کے اندر رُوح بھی ہے کہ نہیں۔ان حالات میں اسلام نے عورت کو بحیثیت ایک صنف کے پوری طرح مردوں کی صنف کے مساوی قرار دیا مگر یہ ضرور ہے کہ ان کی تخلیق اور جسمانی ہیئت کی بناپر ان کے لئے کچھ حقوق و فرائض کی تقسیم کرتے ہوئے الگ الگ دائرہ کار متعین کر دئے گئے بہر حال روحانی اور دینی اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔

عدل اجتماعی چونکہ زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے یہ صرف عبادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام تر معاملات کے متعلق واضح احکامات دیتا ہے لہٰذا دیگر معاملات زندگی کی طرح مساوات کا درس دیتے ہوئے اخلاقیات کے متعلق بھی ایک واضح دائرہ عمل دیا۔ تمام انسانوں کو برابری کی سطح پر قابل تعظیم ٹھہرایا اور ایک دوسرے کی عزت و تقدّس کے احترام کو ہر حال میں واجب ٹھہرایا اور اس ضمن میں بہت سے آداب سکھائے اور چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی تعلیم دی مثلاً استیذان کے سلسلے میں تفصیلی احکامات دیئے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ [27]

''مومنو! اپنے گھروں کے سوادوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور اُن کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو۔''

لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ [28]

---

[27] النور:۲۸

[28] النور:۲۹

''اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو اور اگر یہ کہا جائے گا (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے۔''

ان احکامات کی قدر و قیمت اس میں مضمر ہے کی ہر فرد میں یہ احساس پیدا کرنا مقصود ہے کہ وہ صاحبِ عزت و آبرو ہے اور ایک طرح کا ناموس رکھتا ہے جس پہ حملہ کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے نہ ہی کسی فرد کی حرمت کسی دوسرے فرد کی حرمت سے کم تر ہے سب اس معاملہ میں بلا تفریق برابر ہیں اور ایک دوسرے کی طرف سے امن میں ہیں۔ عدل اجتماعی انسانی حیات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے تمام اجتماعی شعبوں میں اور ضمیر و وجدان کے گوشوں میں بھی الغرض ہر جگہ پوری طرح مساوات قائم کرتا ہے۔ حالانکہ انسانی ضمیر کو ہر طرح کی احتیاج اور مصنوعی سماجی اقدار کے دباؤ سے آزاد کر کے مساوات کو تو عملی طور پر نافذ کر دیا گیا پھر مساوات کے رسمی اعلان کی تو ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ ظاہری شکلوں کا تعین تو ہو چکا پھر بھی اسلام مساوات کو عدل اجتماعی کی ایک بنیاد قرار دیتا ہے جس سے اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

۳۔اجتماعی تکافل:

عدل اجتماعی کا یہ اصول اپنے اندر نہایت جامعیت و وسعت رکھتا ہے۔ عبد الرزاق کمونہ عدل اجتماعی کے اس تخصص کو بیان کرتے ہوئے کچھ یوں لکھتے ہیں۔ اجتماعی تکافل کا اصول انسانوں کے درمیان باہمی تعاون اور حقوق و فرائض کے متعلق ٹھوس ضوابط وضع کرتا ہے اس سلسلے میں معاشرے کے تمام پہلو جیسے خاندان، عدلیہ، معیشت اخلاقی، سیاسی، شہری، ثقافتی الغرض تمام پہلوؤں کے متعلق ایک نقطہ نظر اور سوچ پہ قائم کرتا ہے، یہ انسانوں میں اس بات کا شعور پیدا کرتا ہے کہ وہ علم و سائنس کے تمام شعبہ جات میں مل کر آگے بڑھیں، بلا تفریق ہر انسان کے درمیان مساوات قائم کرتا ہے۔ یہ فہم انسانی عقل کی حکمت عملی کے پیمانوں کی بنیاد پر پیدا کرتا ہے کہ جس میں انسان فطرت کے مطابق عوامی فلاح و بہبود اور اصلاحات کے متعلق فیصلہ کرتا ہے۔[29]

یعنی اجتماعی تکافل باہمی ذمہ داری کا ادراک پیدا کرتا ہے کہ جس میں افراد ایک دوسرے کے حقوق اور آزادی کے تقدس کا خیال کرتے ہوئے باہمی تعاون سے زندگی گزارتے ہیں۔

---

[29] عبد الرزاق کمونہ الحسینی، **العدل الاجتماعی فی الاسلام**، ۹

سید قطب رقمطراز ہیں:

ہر معاشرے کی ایک کلی مصلحت ہوتی ہے جس میں ہر فرد کی انفرادی آزادیوں کی حد سمجھنا ضروری ہوتا ہے خود فرد کی اپنی بھلائی بھی اسی میں مضمر ہوتی ہے کہ وہ اپنی آزادی سے فائدہ اٹھانے میں بعض حدود پر رک جائے اور ان سے تجاوز نہ کرے ورنہ یہ لذّت طلبی اور عیش و عشرت اسے صرف نقصان سے دوچار کریں گے۔ اور اس کی ایسی بے مہار آزادی دوسرے افراد کی آزادی سے ٹکرا کر کبھی نہ ختم ہونے والے جھگڑوں کی صورت اختیار کر جائے گی۔ اس طرح زندگی کی ترقی اور بلندی و کمال کی جانب بڑھنے والے اس کے قدم عارضی و حقیر ذاتی مفادات تک آ کر رک جائیں گے سرمایہ دارانہ نظام کی " آزادی" میں بھی یہی ہوا۔ عدل اجتماعی انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل میں عطا کرتا ہے اور اعلیٰ ترین معنیٰ میں انسانی مساوات برپا کرتا ہے لیکن ان دونوں کو بے قید و بے لگام نہیں چھوڑتا۔ ایک طرف معاشرے کا مفاد اور اس کا حق ہے دوسری طرف انسانیت کے مصالح اور اس کے تقاضوں کا پاس ولحاظ بھی بہت ضروری ہے اور ساتھ ہی دین کے بلند ترین مفاد کی قدر و قیمت بھی ہے۔ اس لئے عدل اجتماعی انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بوجھ فرد اور جماعت دونوں پر ہے اسی اجتماعی ذمہ داری کو " اجتماعی تکافل" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اجتماعی تکافل کا یہ اصول اپنے اندر ایسی تمام تر تفصیلات سموئے ہوئے ہے جو کہ ایک فرد اور اجتماعیت سے متعلق ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔[30]

عدل اجتماعی کے تصور اور اس کی نوعیت و تخصّصات کو سمجھنے کے بعد ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اس تصور کا عملی اطلاق اسلامی نظام معاشرت میں یقینی بنا دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں ایک ایسے معاشرے کا قیام عمل میں آ جائے گا جو کہ ہر طرح سے ایک مکمل فلاحی معاشرہ ہو گا جس کی مثال ہمیں عہدِ نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کے ادوار میں ملتی ہے۔

فرد واحد اور اجتماعیت کے باہمی تعلق کی نوعیت و اہمیت:

صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں: فرد واحد اور اجتماعیت کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے ان دونوں کا وجود ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔ عدل اجتماعی اس تعلق کے ہر پہلو سے متعلق اصول وضع کرتا ہے اور تمام تر تفصیل بیان کرتا

---

[30] سید قطب شہید، **اسلام میں عدل اجتماعی**، ۱۶۴۔۱۶۵

ہے یعنی ایک فرد کااس کی اپنی ذات کے ساتھ تعلق، پھراس کے قریبی خاندان کے ساتھ، پھر جماعت کے ساتھ اسی طرح آگے بڑھتے ہوئے ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ اور نسل در نسل سب کے درمیان عدل اجتماعی کے اصول کارفرماہیں۔[31]

اب ہم اس باہمی تعلق کی نوعیت واہمیت کو عدل اجتماعی کے تناظر میں سمجھتے ہیں، فرد واحد اور اجتماعیت کے باہمی تعلق کو عدل اجتماعی ذمہ داریوں کا اشتراک قرار دیتا ہے۔ذمہ داریوں کے اس اشتراک کا جہاں تک فرد واحد اور اس کی ذات سے تعلق ہے تو یہاں یہ مطلوب و مقصود ہے کہ فرد اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اپنے نفس کو بے لگام خواہشات سے باز رکھے ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کر کے اس کا تزکیہ کرے تاکہ ہلاکت کے راستے سے نجات پاسکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَمَّا مَن طَغَى -وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا- فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى- وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى- وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى[32]

''اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔''

وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ[33]

''اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

ان آیات کریمہ میں دنیا اور اس کے مال کی حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ یہ دراصل آخرت کے مقابلے میں بالکل ہی بے معنی ہیں اصل کامیابی تو اخروی فلاح ہے لہٰذا اسی کی کامیابی کی فکر ہونی چاہیئے اور کامیاب انسان وہی ہے جس نے اپنی بے لگام خواہشات کو قابو میں رکھا ہو اور مال وزر کی ہوس سے خود کو محفوظ رکھا ہو، کیونکہ مال تو دراصل اللہ جل شانہ کی ملکیت ہے اور اسی کی راہ میں خرچ کر کے اس کا قرب حاصل کیا ہوگا۔ان باتوں کے ساتھ ہی انسان کو

[31] صدرالدین اصلاحی، مولانا، **اسلام اور اجتماعیت**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۹۲ء)، ۱۳

[32] النازعات: ۳۷۔۴۱

[33] البقرۃ: ۱۹۵

یہ حق بھی تفویض کیا گیا کہ وہ اپنے نفس پر بے جا ظلم نہ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی روحانی ضروریات کے ساتھ ساتھ جسمانی ضروریات کا بھی مکمل خیال کرے اپنی فطرت کو تمام تر آلائشوں سے بچانے کی کوشش کرے اور بقیہ جائز ضروریات کو بھی پورا کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ[34]

"اور جو (مال) تمہیں اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالبِ فساد نہ ہو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

اس کے علاوہ ایک اور بات واضح طور پہ بتادی گئی کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اسی طرح اعمال کا جوابدہ بھی خود ہے روز محشر کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا[35]

"اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کا وبال اُسی پر ہے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔"

اس اصول کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدمی خود ہی اپنے نفس کا نگران بن جاتا ہے نفس گمراہی کی طرف جائے تو یہ خود ہی اس کو راہِ راست پر لے آتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے واجبی حقوق ہمیشہ ادا کرتا رہتا ہے اس طرح فرد کو مکمل آزادی ضمیر اور کامل انسانی مساوات عطا کرنے کے ساتھ اس میں دو شخصیتیں پیدا کردی جاتی ہیں جو ہمہ دم ایک دوسرے پر نظر رکھتی ہیں۔ پس آزادی اور ذمہ داری دونوں برابر ہیں اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ اپنی ذات کے بعد فرد اور اس کے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے مابین بھی یہی اصول کارفرما ہے ارشاد ربانی ہے:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيمًا[36]

---

[34] القصص:۷۷

[35] النساء:۱۱۱

[36] بنی اسرائیل:۲۳

''اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کیساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُنہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب سے کرنا۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَأُوْلُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا[37]

''اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رُو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حقدار ہیں۔ ''

خاندان کسی بھی معاشرے کا اہم اور بنیادی ستون ہے یہ ادارہ انسانی فطرت، میلانات و رجحانات، باہمی الفت و یگانگت کے پاکیزہ جذبات اور ضرورت و فرائض کے تقاضوں کی تکمیل کا باعث ہے۔ اس نظام کو جب بھی ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو نتیجہ نقصان کی صورت میں نکلا جیسا کہ کمیونزم نے چاہا تھا کہ نظام خاندان کو یکسر ختم کر دے ان کا خیال یہ تھا کہ خاندان انفرادی ملکیت اور ترجیح ذات کے جذبات کی پرورش کرتا ہے اور دولت کی اجتماعی ملکیت نیز افراد کو ریاست کی تحویل میں لئے جانے کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے۔ لیکن بعد میں تاریخ نے یہ ثابت کیا کہ یہ نظریہ ناکام ہو گیا کیونکہ آج کا روسی معاشرہ خاندانی نظام پر ہی مبنی ہے۔ خاندان صرف ایک اجتماعی ادارہ کی تشکیل نہیں کرتا بلکہ انفرادی سطح پر یہ ایک نفسیاتی اور حیاتیاتی نظام بھی ہے ،ان نفسیاتی اور حیاتیاتی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اور فرائض کے بھی کچھ تقاضے ہیں جو کہ ایک مرد، عورت کے درمیان تعلق پیدا کر کے ایک گھرانے کی بنیاد رکھتے ہیں اور بچوں کی حفاظت و تربیت کا ایک نظام بناتے ہیں۔ اس طرح یہ خاندانی نظام باہمی کفالت کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے ترقی کے مختلف مراحل طے کرتا جاتا ہے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے ہوئے ایک منظم ادارہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسلام اس ادارہ کی ترقی میں باہمی کفالت کے اصول۔ خاندانی کفالت باہمی کے مظاہر میں سے ایک اہم مظہر دولت کی وہ تقسیم ہے جس کی تفصیل قرآن کریم میں ہے:

يُوصِيكُمُ اللّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاء فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ

[37] الاحزاب:٦

يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَآؤُكُمْ وَأَبناؤُكُمْ لاَ تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً فَرِيضَةً مِّنَ اللّهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيما حَكِيمًا[38]

"اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے، اور اگر اولادِ میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ تو کل ترکے میں اُن کا دو تہائی اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اُس کا حصہ نصف۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ بشرطیکہ میت کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اُس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ (اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اُس نے کی ہو، یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اُس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی)۔ تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی تشریح درج ذیل آیت میں فرما دی گئی:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ[39]

"تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ جائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کیلئے دستور کے مطابق وصیت کر جائے (اللہ سے) ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔"

اسلام کا بنایا ہوا یہ نظام ایک خاندان کے مختلف افراد اور یکے بعد دیگرے آنے والی مختلف نسلوں کے درمیان تکافل کا ایک اہم مظہر ہے علاوہ ازیں یہ ضابطہ دولت کو مسلسل تقسیم کرتا رہتا ہے اور کسی ایک جگہ پہ اس کا ایسا اجماع ہونے نہیں دیتا جو معاشرے کے لئے خطرہ بن جائے۔ حالانکہ اس موضوع کے تحت تو اسلام کا مکمل اقتصادی نظام آتا ہے جو کہ اس وقت ہمارا موضوع بحث نہیں ہے یہاں ہم یہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ اسلام کا نظام وراثت خاندان کی فضا میں محنت و معاوضہ اور حقوق و فرائض کے باہمی تعاون کا ذریعہ بنتا ہے۔ فرد کے اپنی ذات اور خاندان کے ساتھ اجتماعیت کے اصول طے کر لینے کے بعد فرد، جماعت اور جماعت، فرد کے مابین بھی عدل اجتماعی کے

[38] النساء: ۱۱

[39] البقرۃ: ۱۸۰

تکافل کا اصول کار فرما ہے۔ یہ اصول ان دونوں پر کچھ ذمہ داریاں ڈالتا ہے اور اس کے ساتھ دونوں کو کچھ حقوق بھی عطا کرتا ہے چنانچہ ہر فرد سب سے پہلے اس بات کا مکلف ہے کہ اس کے ذمہ جو کام ہیں انہیں احسن طریقے سے سرانجام دے کیونکہ اس کی محنت کا پھل درحقیقت جماعت کی ملکیت ہے اور بالآخر اس کا اچھا یا برا اثر جماعت پر ہی مرتب ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَقُلِ اعْمَلُواْ فَسَيَرَى اللّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ[40]

"اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ، اللہ اور اُس کا رسول اور مومن (سب) تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے (اللہ واحد) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتادے گا۔"

احمد سید النجار عدل اجتماعی کے اس اصول کے ضمن میں لکھتے ہیں:

عدل اجتماعی کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں اجتماعی تکافل آپس کے تعاون اور ہم آہنگی کی بنیاد پر قائم رہے اور ایک دوسرے کے ساتھ منسلک رہنے کے ذرائع حرکت میں رہیں مثلاً عام خدمات، خاص طور پر صحت اور تعلیم کی خدمات کے لئے اجرت، حمایت، ترسیلات اور سپورٹ کے نظام کے ذریعہ وسائل اور بوجھ کے برابر تقسیم وغیرہ، یہ کئی محوروں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ معاشرے کے اندر آمدنی تقسیم کی جاتی ہے اور اسی طرح سے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔[41]

افراد کے مفادات و مصالح کے باہم مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہونے کی یہ بہت اچھوتی تصویر ہے جو اس انفرادیت پسندانہ طرز فکر کے مقابلے میں پیش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ تمثیل بہت باریک بینی سے یہ بھی بتاتی ہے کہ فرد اور جماعت دونوں کے اوپر ایسے حالات میں کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے مصالح عامہ کی رعایت ملحوظ رکھنے کی ذمہ داری سے کوئی بھی فرد بری نہیں ہے کہ معاشرے میں ہر فرد بیک وقت نگران بھی ہے اور زیر نگرانی بھی ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

[40] التوبۃ: ۱۰۵

[41] احمد سید النجار، الآليات الاقتصادية لبناالعدالة الاجتماعية، (القاہرۃ: مرکز الدراسات السیاسیۃ والاستراتیجیۃ بالاھرام، ۲۰۱۲ء)، ۱۱۹

فکلکم راعٍ و کلکم مسؤل عن رعیته[42]

''تم میں ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی نگرانی میں دیئے ہوئے لوگوں کی بابت باز پُرس بھی ہونی ہے۔''

معاشرے کے افراد کے درمیان نیکی اور معروف کی حدود میں رہتے ہوئے باہمی تعاون لوگوں کی بہتری اور معاشرے کی مصلحت کا عین تقاضا ہے اور ایک لازمی فریضہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[43]

''اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو۔ ''

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[44]

''اور تم میں سے ایک جماعت ہے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ''

صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

مندرجہ بالا دیئے جانے والے احکام امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق ہیں اور یہ حکم امت مسلمہ کے لئے اختیاری نہیں بلکہ ضروری ہے اس سلسلہ میں ہر شخص سے الگ اپنے اپنے دائرہ اختیار کے مطابق پرسش ہوگی اور اگر اس نے یہ فریضہ انجام نہ دیا تو مجرم قرار پائے گا اور نتیجتاً سزا بھگتے گا۔ اس طرح تمام افراد ہر اس منکر کے بارے میں جواب دہ قرار پاتے ہیں جو جماعت میں رونما ہو خواہ وہ خود اس میں شریک نہ رہا ہو کیونکہ جماعت ایک اکائی ہے جس کے لئے منکر بڑا اذیت بخش ہے اور جماعت کو خطرات سے محفوظ رکھنا ہر فرد کا فرض ہے۔ اسی طرح جماعت بھی اگر اپنے افراد کی طرف سے منکر کے صدور پر چشم پوشی سے کام لے تو اس سے مواخذہ ہوگا اور اس کی سزا وہ دنیا و

---

[42] البخاری، الامام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل (۱۹۴ھ۔۲۵۶ھ)، صحیح البخاری، (الریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ، ذوالحجۃ ۱۳۱۹ھ۔مارس ۱۹۹۹م)، کتاب النکاح، باب، قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا، التحریم: ۶، حدیث: ۵۱۸۸، ۹۲۶

[43] المائدہ: ۲

[44] آل عمران: ۱۰۴

آخرت دونوں جگہ بھگتے کیونکہ یہ براہِ راست اس کی ذمہ داری میں شامل ہے کہ اپنے ہر فرد کی نگران و سرپرست بن کر رہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُواْ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا[45]

''اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نا فرمانیاں کرتے رہے پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔''

اس آیت مبارکہ میں جن بستیوں کو برباد کر دینے کے متعلق وعید دی گئی اس میں بستی کے تمام افراد شامل ہیں چاہے اس میں بہت سے افراد خود فسق سے دور رہے ہوں مگر اس فسق کے وجود کو برداشت کرتے رہنا ہی ان کو تباہ و برباد کئے جانے کے لائق ٹھہراتا ہے۔[46]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّقُواْ فِتْنَةً لاَّ تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[47]

''اور اُس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کیساتھ اُنہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گنہگار ہیں اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

مندرجہ بالا اصول میں ظلم کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ جس قوم میں فواحش پھیل رہے ہوں اور منکر کا ارتکاب علی الاعلان جاری ہوں لیکن وہ اسی مٹانے کی طرف توجہ نہ کرے اس قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے وہ ضرور گرتی اور زوال سے دوچار رہتی ہے اور اس نے جو روش اختیار کی اس کے نتیجے میں جو تباہی اسے نصیب ہوئی وہ ایک قدرتی اور لازمی نتیجہ ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

[45]بنی اسرائیل:۱۶

[46]صدر الدین اصلاحی، مولانا، **اسلام اور اجتماعیت**،۸۱

[47]الانفال:۲۵

عن حذیفہ رضی اللہ عنہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیوشکن الله ان یبعث علیکم عذابا منه ثم تدعونه فلا یستجیب لکم[48]

''حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمھیں نیکی کی ضرور ہدایت کرنا ہو گی ورنہ عین ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دیے پھر تم اسے پکاروگے اور تمھیں جواب نہیں آئے گا۔''

مندرجہ بالا ارشاد باری تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض عین ہے یہ کوئی اختیاری عمل یا فرض کفایہ نہیں ہے بلکہ ہر شخص پر اس کی علمی حیثیت اور استطاعت کے مطابق فرض ہے اور اگر اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضی کی صورت میں سخت سزا ملے گی۔ جماعت اپنے کمزوروں کی حفاظت اور ان کے مصالح کی دیکھ بھال کے بارے میں جواب دہ ہے چنانچہ اگر نا گزیر ہو تو اسے ان کی حفاظت کی خاطر جنگ کرنا بھی ضروری ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا[49]

''اور تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس شہر سے، جس کے رہنے والے ظالم ہیں، نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔ ''

جماعت اپنے غرباء اور فقراء کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہے وہ زکوٰۃ وصول کر کے اسے اس کے متعین مصارف میں خرچ کرے گی اور اس کے علاوہ بھی ٹیکس کا ایک باقائدہ وضع کردہ نظام دین میں موجود ہے جس کا اطلاق کرنا جماعت کی ذمہ داری ہے۔

---

[48] الترمذی، الامام الحافظ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابن موسیٰ (۲۰۰ھ-۲۷۹ھ)، جامع الترمذی، (الریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولیٰ محرم ۱۴۲۰ھ-ابریل ۱۹۹۹م)، کتاب الفتن، باب: ماجاء فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، حدیث: ۲۱۶۹، ۴۹۸

[49] النساء: ۷۵

ارشادِ ربانی ہے:

وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ[50]

"اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوۃ ادا کرتے رہو۔"

ملتِ اسلامیہ ایک جسد واحد کی مانند ہے کہ یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے ایک عضو کو جو تکلیف پہنچتی ہے تمام اعضاء اس کے درد کی ٹیسیں محسوس کرتے ہیں مسلم امہ کی یہ تعبیر بہت ہی دلکش اور مؤثر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسے اس طرح بیان فرمایا:

عن نعمٰن بن بشیر رضی اللہ عنہ یقول: قال رسول الله ﷺ : تری المؤمنین فی تراحمهم و توادهم و تعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ عضوا تداعی له سائر جسده بالسهر و الحمیٰ[51]

"نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مؤمنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لطف، نرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب کوئی ایک بھی عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

اجتماعی تعاون و تکافل کے سلسلے میں یہ ایک ایسا اعلیٰ ترین معیار طے کر دیا گیا جہاں تک انسانی تخیل پرواز کر سکتا ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے افراد کی تمام تر ضروریات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ایک مکمل اور مربوط نظام حیات وضع کیا گیا لٰہذا عبادات، اخلاقیات، اقتصادیات، سیاست، عمرانی معاملات کے ساتھ ساتھ سزاؤں کا بھی ایک مکمل نظام دیا گیا ہے یعنی تمام افراد کی جان، مال اور عزت کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے روحانی و اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ جرائم کے ارتکاب پر ان کی سنگینی کے مطابق سخت سزائیں بھی مقرر کی گئیں۔ اسلام نے قتل اور زخموں کے معاملہ میں برابر کے بدلے کا قانون بنایا اور قتل کے جرم کو سزا کے معاملے میں کفر کے برابر قرار دیا ارشاد ربانی ہے۔

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا[52]

---

[50] النساء:۷۷

[51] صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث:۶۰۱۱، ۱۰۵۱

[52] النساء:۹۳

''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کیلئے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

ان احکامات کے ساتھ قصاص پر اُبھارتے ہوئے اس کو جماعت کے لئے حیات بخش قرار دیا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ[53]

'' اور اے اہلِ عقل! (حکمِ) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قانون میں بقائے باہمی کے اثرات پنہاں ہیں کو کہ معاشرے کی بقاء و فلاح کے لئے لازم ہیں جس طرح قتل سے روک کر زندگی کے حق کو محفوظ کر دیا گیا اسی طرح زنا کی بھی سخت سزا متعین کر کے عزت و ناموس کو محفوظ کر دیا گیا کیونکہ یہ عزت و آبرو پر حملہ اور عصمت و عفت کی بے حرمتی ہے اور اس سے معاشرے میں فحاشی کی اشاعت ہوتی ہے جس سے معاشرہ اخلاقی زوال و انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ[54]

''بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب اُن کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو اور اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شریعتِ الٰہی (کے حکم) میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیئے کہ اُن کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔''

اس کے ساتھ بہتان تراشی اور تہمت لگانے جیسی اخلاقی برائیوں کے لئے سخت وعید سنائی گئی ارشاد کیا گیا:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[55]

---

[53] البقرۃ: ۱۸۰

[54] النور: ۲

[55] النور: ۴

''اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو اُن کو اسی دُرّے مارو اور کبھی اُن کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں۔''

اسی طرح دیگر جرائم چوری، سرقہ، حرابہ، غارت گری، لوٹ مار اور بغاوت وغیرہ پر بھی مختلف سنجیدہ نوعیت کی سزائیں مقرر کی گئیں اور اس طرح عملی بنیادوں پر معاشرے کے امن و استحکام کو یقینی بنادیا گیا۔ بہر حال ان وضع کردہ سزاؤں کے نظام میں دین نے ہر پہلو کو مدّ نظر رکھا ہے یعنی صرف سزائیں تجویز کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا اس کے ساتھ ساتھ بعض اضطراری کیفیات میں لوگوں پر سے سزائیں ساقط بھی کر دی گئیں جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[56]

''ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اُس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔''

حدود کے نفاذ کے معاملے میں دین میں بہت سختی ہے مگر جب ایسی صورتحال کا سامنا ہو کہ جس میں معاملہ واضح نہ ہو تو تب شک کی بنا پر سزا دینے سے منع کر دیا گیا اور حکم دیا کہ شبہ میں حدود کو ساقط کر دیا کرو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن عائشة قالت :قال رسول الله ﷺ : ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الأمام أن يخطى فى العفو خير من أن يخطى فى العقوبة[57]

''حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں پر سے (شبہات کی صورت میں) حدود کو رفع کر دو جتنا تم کر سکتے ہو، اگر ان کے پاس (بچ نکلنے) کا راستہ موجود ہے تو انہیں جانے دو، پس اگر امام معاف کرنے میں غلطی کرتا ہے تو اس میں بھلائی ہے بہ نسبت اس کے، کہ وہ سزا دینے میں غلطی کر بیٹھے۔''

عدل اجتماعی اپنے تمام تخصصات کو ان کی مکمل اور قابل عمل صورتوں میں پیش کرتا ہے یہ فرد اور جماعت کے کلی مقاصد کو باہم ہم آہنگ کرتا ہے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ایسی بے جا آزادی نہیں دیتا کہ جس سے ایک

---

[56] البقرۃ:۱۷۳

[57] جامع الترمذی، کتاب الحدود، باب: ماجاء فی درء الحدود، حدیث: ۱۴۲۴، ۳۴۵

دوسرے کے حقوق کی خلاف ورزی ہو سکے بلکہ یہ فرد اور جماعت کو باہم ذمہ داریوں کا مکلف ٹھہراتا ہے۔ مکمل آزادی ضمیر، کامل انسانی مساوات، اور ٹھوس و پائیدار اجتماعی تکافل ایسی بنیادیں ہیں جن پر عدل اجتماعی کی عمارت کھڑی ہے، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان بنیادوں کے عملی اطلاق کو یقینی بنایا جائے کیونکہ اسی میں معاشرے کی فلاح وترقی پنہاں ہے۔

نتائج:

اب ہم اس بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام حیات کا بنیادی تخصص عدل اجتماعی صرف ایک نظریہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر امر کے عناصر کو جمع کرنے کے لئے ایک مثالی نظریہ ہے جس کا کوئی بھی متبادل موجود نہیں ہے، یہ روحانی، اخلاقی، مادی، جذباتی ہر رجحان کے لئے ایک واضح لائحہ عمل دیتا ہے۔ اور یہ اسلامی نظام معاشرت کو ان خطوط پر استوار کرتا ہے کہ جس کے نتیجے میں معاشرے میں مکمل وحدت، تعاون اور ہم آہنگی کی فضا پنپتی ہے اور عدل اجتماعی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے یہ فضا مزید مستحکم ہوتی ہے اس میں نشو وارتقاء کا عمل جاری و ساری رہتا ہے جو کہ اسلامی نظام معاشرت کی جڑیں مضبوط کرنے کا باعث بنتا ہے اور نتیجتاً ایک مثالی معاشرے کا قیام عمل میں آتا ہے جو کہ دنیاوی واخروی فلاح کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور یہی عدل اجتماعی کا مقصود ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام خصوصاً اسوۂ حسنہ کے حوالے سے خوبصورت عادلانہ نظام اسلام کا معاشی عدل نہ صرف اسلامی نظام معاشرت میں بلکہ عالمی سطح پہ اجاگر کیا جائے، اسلام کی عادلانہ تعلیمات کو عام کیا جائے اگرچہ آج مسلمان جو کہ عدل اجتماعی کے سب سے بڑے حامی ہیں خود ظلم و بربریت کا شکار ہیں کفر اس کو مٹانے کے درپے ہے، الکفر ملۃ واحد۔ لیکن ہمیں اسوۂ حسنہ کی روشنی میں جدید خطوط پر اپنا دفاع کرنا ہے بلکہ آگے بڑھ کر دنیا کی رہنمائی کرنی ہے، اسلام کا عادلانہ نظام دنیا میں قائم کرنا ہے اور دنیا کو عدل اجتماعی سے بھر دینا ہے۔ عدل اجتماعی کے حوالے سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم قومی اور بین الاقوامی حالات اور اس کے رخ کو سمجھیں اپنے رویوں سے، طور طریقوں سے، اخلاق وعادات سے اور اپنے کردار سے اسلام کی حقیقی، صحیح اور سچی تصویر پیش کریں خصوصاً اپنے نوجوانوں کو اعلیٰ اسلامی اقدار اور تکریم انسانیت سکھائیں۔ اپنے معاشرے کے بارے میں قومی اور بین الاقوامی سوچ میں مثبت تبدیلی لانی ہے، کیونکہ ان دونوں سطحوں پر جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے اسلام کے بارے میں جو ایک عدم اعتماد کی فضا قائم ہو گئی ہے اسے اپنے رویئے سے ختم کر کے اسلام کے عادلانہ نظام کی اہمیت سے آگاہی دینا ہے جیسا کہ ہم سب کی بقا اور امن و سلامتی، ترقی اسلام کے ہی عادلانہ قانونی، غیر طبقاتی اور معاشی عادلانہ نظام

میں ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا میں عدل اجتماعی کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا اور دنیا کا آئندہ نظام اسلام کا عادلانہ نظام ہو گا۔

تجاویز و سفارشات:

آج سوئے قسمت ہمارے نظام معاشرت میں عدل اجتماعی کا وجود مجموعی طور پہ نظر نہیں آتا ہم سب سے افضل نبی حضرت محمد ﷺ کی امت ہیں، اس لئے عدل اجتماعی جو کہ انسانی حقوق اور کسی بھی معاشرے کی خوشحالی کی اساس ہے اس کو بہر طور پہ نافذ کریں۔ اس ضمن میں کچھ تجاویز و سفارشات پیش خدمت ہیں ان پر عمل پیرا ہونے اسلامی معاشرے میں پیدا ہونے والی مایوسی اور ناامیدی کا خاتمہ ممکن ہے۔

ا۔ مسلم حکمرانوں کی توجہ دلانا کہ وہ اپنا نظام قانون انصاف اسلامی تعلیمات پر استوار کریں، شریعت کو اعلیٰ وارفع قانون بنائیں اور مغربی آئین و قوانین اور عدالتی نظام کو رد کر دیں۔

۲۔ ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنا جہاں اسلامی اور جدید قوانین دونوں کا بھر پور مطالعہ ہو تا کہ ہماری مجالس قانون ساز، وزارت قانون، بنچ اور بار کو ایسے سیاسی لیڈر، بیوروکریٹ، جج، وکیل اور مفتی میسر آسکیں جو کہ جدید قانون کے ساتھ اسلامی قانون کے بھی ماہر ہوں۔

۳۔ قانون سازی کے عمل کو اسلامی روایات سے ہم آہنگ کرنا تاکہ پارلیمنٹ کوئی بھی قانون اسلامی قانون کے خلاف نہ بنا سکے نیز ماجود غیر اسلامی قوانین کو فوری طور پہ اسلام کے مطابق ڈھالنا۔

۴۔ عدالتوں کو صرف قانون شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کی اجازت دینا۔

۵۔ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ کسی بھی قانون کو جو کہ خلاف شریعت ہو اس کو عدالت عظمیٰ میں چیلنج کر سکے جسے یہ آئینی اختیار ہو کہ وہ کسی بھی قانون کو خلاف شریعت قرار دے کر ختم کر سکے۔ پاکستان میں عوام کو یہ حق حاصل ہے۔

۶۔ قانون کی تعلیم کو اسلام کے مطابق بنانا یعنی اسلامی قانون اور عربی زبان کی تدریس کا اہتمام کرنا اور غیر اسلامی قوانین کا بطور تقابلی مطالعہ کے محض تعارفی مطالعہ کروانا۔

۷۔ بنچ اور بار کے مغربی نظام کا خاتمہ، ججوں کی اسلامی میعار کے مطابق تقرری، مفتیوں اور مشیروں سے استفادہ۔

۸۔ہر سطح کے عدالتی نظام کو سادہ، باوقار، فعال اور مؤثر بنانا تاکہ عوام کو سستا اور فوری انصاف میسر آسکے

۔

۹۔حکمرانوں کا عدالتوں میں قابل مواخذہ ہونا اور قانون کی نظر میں ایک عام مسلمان کے برابر ہونا۔

مسلم امہ کو عدل اجتماعی کے پلیٹ فارم پہ لانے کے لئے چند تجاویز پیش ہیں:

ا۔مسلم ممالک کی مشترکہ مجلس فقہ واجتہاد بنانا۔

۲۔مسلم ممالک کی مشترکہ پارلیمانی یونین اور مشترکہ چیف جسٹس کمیٹی بنانا تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

۳۔مسلم ممالک کی مشترکہ عدالت بنانا جس سے باہمی تنازعات کے فیصلے کے لئے رجوع کیا جاسکے۔

۴۔حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تمام انسان اس کے بندے ہیں جنہیں فقط بندگی ہی زیبا ہے۔

۵۔قرآن وسنت سپریم لاء ہیں اور ان کے خلاف ہر قانون ناقابل عمل اور قابل تنسیخ ہے۔

۶۔ شریعت کی روشنی میں مملکت کے کلی اختیار کے مالک مسلمان عوام ہیں اور انہیں حکمرانوں کے عزل و اختیار کالا محدود حق حاصل ہے۔

انشاءاللہ اگر ہم ان گزارشات پہ عمل کریں تو اس کے مثبت اثرات قومی اور عالمی سطح پہ پڑیں گے اور ہم تنزلی کی بجائے ترقی کی منازل طے کریں گے کامیابی انشاءاللہ ہمارے قدم چومے گی۔علاقائی، ملکی اور عالمی سطح پر ہمارے لئے جو مشکل حالات ہیں ان کا خاتمہ ہوگا اور حقیقت بھی یہی ہے یہ اسلام کا ہی خاصہ ہے کہ اس کا عادلانہ نظام اس قدر جامع ہے جو کہ ساری دنیا کی رہنمائی کرسکتا ہے اور عالمی سطح پر اجتماعی عدل قائم کرسکتا ہے، ہمیں صرف اپنے اخلاق اور کردار کو بدلنے اور اخلاص کی ضرورت ہے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلاَّ الإِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلاَّ بِاللّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ[58]

[58] ہود:۸۸

''میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے میں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''

مزید تحقیق کے لئے چند ممکنہ نکات:

اس موضوع کے متعلق مزید تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل نکات زیر بحث لائے جا سکتے ہیں:

۱ : عدل اجتماعی کی اطلاقی نوعیتوں پر بحث کی جا سکتی ہے اس ضمن میں معاشرے کے چار بنیادی عناصر کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے مثلاً معاشرتی، معاشی، قانونی وانتظامی، عدالتی نوعیت پر عدل اجتماعی کی اطلاقی صورتوں کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

۲: عصری تناظر میں عدل اجتماعی کے ناپید ہونے کی بنا پر اطلاقی نوعیتوں کے عدم استحکام، اضمحلال کا جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ معاشرے میں اس کے عدم وجود کے باعث کس طرح کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً ان اثرات میں معاشرتی انتشار و فساد، معاشی پسماندگی، قانونی وانتظامی نقائص، عدالتی ناکامیاں وغیرہ شامل ہیں۔

۳ : منفی اثرات کو ختم کرنے کے لئے عدل اجتماعی کے تناظر میں اسلامی نظام معاشرت کے ان تخصصات کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے کہ جن کے عملی اطلاق کی صورت میں معاشرہ ترقی و فلاح کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔